قرآن مجید کا تصوّرِ تزکیہ

مولانا سید جلال الدین عمری

فہرست مضامین

قرآن مجید کا تصور تزکیہ

☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید کا تصوّرِ تزکیہ

تزکیہ قرآن کی ایک اصطلاح ہے

'تزکیہ' قرآن مجید کی معروف اصطلاح ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے یہ ایک اہم اور بنیادی مقصد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ مجھے اور میرے بیٹے اسمٰعیل کو مسلم اور اپنا فرماں بردار بنائے رکھ اور ہماری ذرّیت سے اُمت مسلمہ برپا فرما۔ آگے دعا کے الفاظ یہ ہیں:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلاً مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝ (البقرۃ:۱۲۹)

اے ہمارے رب، ان لوگوں میں خود انھی کی قوم سے ایک رسول اُٹھا، جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

یہ سورۂ بقرہ کی آیت ہے۔ اسی سورہ میں آگے چل کر فرمایا:

كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلاً مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيۡكُمۡ وَ يُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (البقرۃ:۱۵۱)

جس طرح ہم نے تمھارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا، جو تمھیں ہماری آیات سناتا ہے، تمھارا تزکیہ کرتا ہے، تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول

فرمائی اور جن مقاصد کے لیے دعا کی گئی تھی ان کی تکمیل کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے یہ مقاصد سورۂ آل عمران (آیت:۱۶۴) اور سورۂ جمعہ (آیت:۲) میں بھی بیان ہوئے ہیں۔

معنیٰ و مفہوم

'تزکیہ' کا مادہ (اصل) زکیٰ ہے۔ اس کے معنی ہیں بڑھنا، نشو و نما پانا، خیر و صلاح اور تقویٰ کا پایا جانا، عبادت اور پاکیزگی کا حاصل ہونا۔ اس میں خود ستائی اور اپنی نیکی کے اظہار و اعلان کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ ان تمام ہی معنوں میں قرآن و حدیث میں اس کا استعمال ہوا ہے[۱]

اس پہلو سے تزکیہ یہ ہے کہ آدمی کی فکری و عملی کم زوریاں، جو اسے پستی اور زوال کی طرف لے جاتی ہیں دور ہوں اور اس کے اندر صحیح فکر اور اخلاق و تقویٰ کی خوبیاں جلوہ گر ہوں، جن سے اس کی شخصیت کا ارتقا ہوسکتا اور وہ اعلیٰ مدارج طے کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (الشمس:۹،۱۰)

یقیناً فلاح پاگیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔

یہاں تزکیہ کے بالمقابل 'تدسیہ' کا لفظ آیا ہے۔ 'تزکیہ' میں نشو و نما پانے اور ابھرنے کا تصور ہے، اس کے برخلاف 'تدسیہ' یہ ہے کہ کسی چیز کو ابھرنے نہ دیا جائے اور اسے دبا دیا جائے۔ زمخشری کہتے ہیں:

---

[۱] ابن منظور کہتے ہیں: اصل الزکاء فی اللغة الطهارة والنماء والبرکة والمدح و کله قد استعمل فی القرآن والحدیث۔ لسان العرب: مادہ زکیٰ، ۱۴/۳۵۸، دار صادر بیروت، ۱۹۹۴ء

التزکیۃ الانماء والاعلاء بالتقویٰ و التدسیۃ النقص و الاخفاء بالفجور[1]

تزکیہ کے معنی ہیں تقویٰ کے ذریعے شخصیت کو نمو دینا اور بلند کرنا۔ (اس کے برعکس) فسق و فجور کے ذریعے شخصیت میں نقص پیدا کرنے اور اسے چھپا دینے کا نام 'تدسیہ' ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا اپنی شخصیت کو نیکی اور تقویٰ کے ذریعے اوپر اُٹھانا 'تزکیہ' ہے۔ 'تدسیہ' یہ ہے کہ آدمی ضلالت و گم رہی اور اخلاقی پستی میں پڑا رہے اور اپنی شخصیت کو ابھرنے نہ دے۔

تزکیہ کے ہم معنی الفاظ

تزکیہ کے معنی میں 'تطہیر' کا لفظ بھی آیا ہے، حضرت مریمؑ کے متعلق ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰـہَ اصۡطَفٰکِ وَ طَھَّـرَکِ وَاصۡطَفٰکِ عَلٰی نِسَاءِ الۡعٰلَمِیۡنَ۝ (آلِ عمران:۴۲)

اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجھ کو ترجیح دے کر اپنی خدمت کے لیے چن لیا۔

آیت میں لفظ 'طَھَّـرَکِ' آیا ہے، اس کا مصدر 'تطہیر' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو تمام اخلاقی کم زوریوں سے پاک کیا اور ان کے اندر نیکی، تقویٰ اور عفت و عصمت جیسی خوبیاں پیدا فرمائیں۔ یہی تزکیہ ہے۔

ازواجِ مطہرات کے متعلق ارشاد ہے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡھِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَھِّرَکُمۡ تَطۡھِیۡراً۝ (الاحزاب:۳۳)

اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہلِ بیتِ نبیؐ سے گندگی کو دور کرے اور تمھیں پوری طرح پاک کردے۔

آیت میں 'رجس' کا لفظ آیا ہے۔ اس کا استعمال گندگی، میل کچیل، قبیح حرکت، حرام اور کفر جیسی فکری و عملی خرابیوں کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں اس

---

[1] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: ۴/۷۴۸، دار الکتب العلمیۃ، لبنان، ۱۹۹۵ء

سے مراد دینی اور اخلاقی کم زوریاں ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات کو ہر قسم کی دینی اور اخلاقی کم زوریوں سے پوری طرح پاک کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے 'تطہیر' کا لفظ آیا ہے۔ تزکیہ اسی کا نام ہے۔

وضو اور تیمّم کے احکام کے ذیل میں ارشاد ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ (المائدۃ:٦)

اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر پوری کردے۔ شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

وضو اور تیمّم کے ذریعے آدمی کو جسمانی پاکی حاصل ہوتی ہے اور وہ نماز اور تلاوت جیسی عبادات کے ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ گناہوں سے بھی پاک ہوتا ہے۔ یہاں 'تطہیر' کے ذریعہ ان دونوں ہی باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ یہی تزکیہ ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ تطہیر اور تزکیہ کے الفاظ ایک ساتھ ہم معنی کے طور پر بھی آئے ہیں۔ (التوبۃ:۱۰۳)

تزکیہ کے لیے 'تربیت' کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے۔ تربیت کے معنی ہیں:

انشاء الشیء حالاً فحالاً الی حد التمام [1]

کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح پہنچانا کہ وہ حد کمال کو پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو اسی معنی میں 'رب' کہا جاتا ہے کہ وہ جس مخلوق کی جس مرحلۂ حیات میں جو حاجت ہوتی ہے وہ پوری کرتا اور اسے درجۂ کمال تک پہنچاتا ہے۔ تزکیہ کا عمل بھی اسی طرح انجام پاتا ہے۔ تربیت ہی سے

---

[1] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مادہ رب، ص ۱۹۰، دار المعرفۃ، بیروت ۱۹۹۸ء

مربیّ کا لفظ نکلا ہے۔ مربیّ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ما تحت فرد یا افراد کی نگرانی کرتا اور اس میں جو کم زوری یا خرابی پائی جائے اس کی اصلاح کرتا ہے۔

'تزکیہ' خدا پرستانہ زندگی گزارنے کا نام ہے۔ اس لیے اسے تقویٰ بھی کہا گیا ہے۔ چناں چہ سورۃ الّیل میں ہے:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝

اور اس (جہنم کی آگ) سے دور رکھا جائے گا وہ جو نہایت پرہیزگار ہے، جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے۔ (الیل:۱۷،۱۸)[۱]

دین میں تزکیہ کی اہمیت اور اس کا مقام

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت میں ایک پیغمبر کی بعثت کی جو دعا کی تھی، اس کے مقاصد میں تلاوت آیات، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ کا ذکرہے۔ (البقرۃ:۱۲۹) یہ در حقیقت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کی اصل غرض علمی اور عملی تزکیہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا جہاں ذکر ہے وہاں تلاوت آیات کے فوراً بعد تزکیہ کا ذکر ہے۔ (البقرۃ:۱۵۱) اس لیے کہ اصل غرض و غایت تزکیہ ہی ہے۔ تعلیم کتاب و حکمت اسی کے لیے ہے۔ قاضی بیضاوی کہتے ہیں: ''اصل مقصد تزکیہ ہے' اس لیے اسے یہاں مقدّم رکھا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں اس کا ذکر آخر میں آیا ہے، اس لیے کہ یہ نتیجہ کے طور پر آخر ہی میں حاصل ہوتا ہے۔''[۲]

---

[۱] نیز ملاحظہ ہو، النجم : ۳۲

[۲] بیضاوی کے الفاظ ہیں: قدّمه باعتبار القصد و اخّره فی دعوة ابراهيم عليه السلام باعتبار الفعل۔ بیضاوی، انوار التنزیل و اسرار التاویل: ۱/ ۹۵، دار الکتب العلمیہ، لبنان ۱۹۸۸ء

اس سے دو باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ تزکیہ کی بنیاد، تلاوت آیات، تعلیم کتاب و حکمت پر ہونی چاہیے۔ اس کے بغیر حقیقی تزکیہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس راہ سے ہٹ کر کسی اور طریقہ سے جو تزکیہ ہو اس کا اسلام کے نزدیک کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ اگر تلاوت آیات ہو، کتاب اللہ کی تعلیم ہو اور اس کے اسرار و معارف اور حکمتوں کا بیان بھی ہو اور تزکیہ نہ ہو تو ان کی حقیقی غرض و غایت پوری نہ ہوگی۔ وہ ایک ایسی تگ و دو ہوگی، جس میں نشاناتِ راہ کو منزل سمجھ لیا جائے۔

تزکیہ کا وسیع تصور

تزکیہ، اس کے مادّے زکیٰ اور ان کے مشتقات کا استعمال قرآن مجید میں مختلف مواقع پر ہوا ہے۔ ان سب پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ تزکیہ کا مطلب کسی ایک شعبۂ حیات کی اصلاح اور اس کا خامیوں سے پاک ہونا اور اس میں خوبیوں کا پایا جانا نہیں ہے، بلکہ پوری زندگی کا تزکیہ ہے۔ اگر عبادات کا تزکیہ ہوجائے اور گھر اور خاندان میں اس کے منافی رویہ اختیار کیا جائے تو یہ ناقص تزکیہ ہوگا۔ اسی طرح آدمی کے اخلاق سنور جائیں اور اس کے معاملات میں فساد پایا جائے تو یہ بھی تزکیہ کی کمی ہوگی۔ قرآن کی تعلیمات کی رو سے تزکیہ ایک ہمہ جہت اور جامع عمل ہے اور انفرادی و اجتماعی ہر پہلو سے اصلاح و تربیت کا نام ہے۔

عقیدہ کا تزکیہ

تزکیہ کا اولین مرحلہ عقیدے اور فکر کی اصلاح ہے۔ اللہ کے پیغمبر اسی سے تزکیہ کا آغاز کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے ابتدائی دور کی سورتوں میں

ایک سورۂ اعلیٰ بھی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تذکیر اور نصیحت کا حکم دیا گیا اور کہا گیا کہ جس کے اندر اس سے خوف اور خشیت پیدا ہوگی وہ فائدہ اٹھائے گا اور جو کوئی بدقسمت ہے وہ اس سے دور ہی رہے گا اور آتشِ جہنم کا مستحق ہوگا (الاعلیٰ:۹-۱۳) اس کے بعد فرمایا:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی (الاعلیٰ:۱۴) فلاح پا گیا وہ جس نے تزکیہ اختیار کیا۔

مکہ کے ابتدائی دور میں تزکیہ کے اندر بنیادی طور پر یہ بات داخل تھی کہ آدمی شرک اور بت پرستی سے بالکلیہ دست بردار ہوجائے، توحیدِ خالص کا عقیدہ اس کے دل و دماغ میں رچ بس جائے اور وہ معصیت کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت کی راہ اختیار کرلے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس کے معنی بیان کرتے ہیں: 'تَزَکّٰی من الشرک' یعنی کامیاب ہوا وہ جس نے شرک سے پاکی اختیار کی۔

امام ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

قد نجح و ادرک طلبتہ من تطهّر من الکفر و معاصی اللہ و عمل بما امرہ اللہ بہ فاڈّی فرائضہُ [1]

بے شک وہ کامیاب ہوا اور اپنی مراد کو پالیا جس نے کفر اور اللہ کی معصیتوں سے پاکی حاصل کی، اللہ نے جن امور کا حکم دیا ان پر عمل کیا اور اس کے متعین کردہ فرائض ادا کیے۔

اس سلسلے میں ایک روایت بھی حافظ ابوبکر بزّار نے نقل کی ہے۔ حضرت جابرؓ ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے 'قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی' کے ذیل میں ارشاد فرمایا:

---

[1] جامع البیان فی تفسیر القرآن، جزء ۳۰، ص۹۹، دار المعارف، بیروت لبنان ۱۹۷۸ء

من شھد ان لآ الٰہ الآ اللّٰہ و خلع الْاَنداد و شھد انی رسول اللّٰہ[۱] — جس نے شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جن چیزوں کو اس کا مدمقابل ٹھہرایا جاتا ہے ان سے علیحدگی اختیار کی اور اس بات کی گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

جلالین میں 'تَزَکّٰی' کی تشریح '**تطھّر بالْاِیمان**' سے کی گئی ہے۔[۲] یعنی کامیاب وہ ہوا، جس نے ایمان کے ذریعہ پاکی حاصل کی۔

قرطبی میں ہے:

ای من تطھرمن الشرک بایمان[۳] — یعنی وہ جو ایمان کے ذریعے شرک سے پاک ہوا۔

مکہ کے ابتدائی دور میں جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں سورۃ الشّمس بھی ہے اس میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَاo وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَاo (الشّمس:۹،۱۰) — یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔

مطلب یہ کہ وہ شخص فلاح یاب اور کامیاب ہوا، جس نے نیکی اور تقویٰ کے ذریعے اپنی شخصیت کو ترقی دی اور اعلیٰ مدارج تک رسائی حاصل کی۔ اس کے برعکس ناکام اور نامراد ہوا وہ جس نے غلط عقیدے، باطل فکر اور بداعمالیوں سے اپنی ذات کو ابھرنے نہ دیا اور اسے تہہ خاک کرکے رکھ دیا۔ علامہ شوکانی کہتے ہیں:

من زکّٰی نفسه و أنماھا و أعلاھا — جس نے تقویٰ کے ذریعے اپنے نفس کا

---

۱ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۴/۵۰۱، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت، ۱۹۶۹ء۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: جلد۱۰، جز۲۰ء، ص۱۶، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان ۱۹۸۸ء

۲ تفسیر جلالین، تفسیر سورۃ الاعلیٰ

۳ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد۱۰، جزء ۲۰، ص ۱۶

بالتقوی فاز بکل مطلوب و ظفر بکل محبوب ... و خسر من أضلّها و أغواها و أخملها و لم یشهرها بالطاعة والعمل الصالح[۱]

تزکیہ کیا، اسے نشو و نما دیا اور اوپر اٹھایا، اس نے ہر مطلوب پالیا اور ہر محبوب چیز پاکر کامیاب رہا... اس کے برعکس وہ شخص خسارے میں رہا، جس نے اسے گم راہ کیا اور بھٹکایا، اسے بجھایا اور اللہ کی اطاعت اور عملِ صالح کے ذریعے اسے ابھرنے اور نمایاں ہونے نہ دیا

یہ مکی سورتوں کی بعض آیات ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر مکی سورتوں میں بھی مختلف مناسبتوں سے تزکیہ کا ذکر ہے۔ ان میں عقیدہ اور فکر کے تزکیہ کا پہلو نمایاں ہے۔ مدنی سورتوں میں بھی تزکیہ کی ہدایات موجود ہیں۔ ان میں سے بعض میں عقیدہ اور فکر کی اصلاح کا صاف ذکر پایا جاتا ہے۔ سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ (الجمعۃ:۲)

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انھی میں سے اُٹھایا، جو انھیں اُس کی آیات سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے وہ کھلی گم راہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ان عظیم احسانات کا ذکر ہے جو اس نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعے ایک 'اُمّی' قوم پر کیے۔ یہ احسانات وقتی نہیں دائمی تھے۔ 'اُمّی' اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ امام راغب کہتے ہیں:

اَلْاُمِّیُ هو الذی لا یکتب ولا یقرأ من کتاب

امی وہ ہے جو لکھ سکے اور نہ کوئی کتاب پڑھ سکے۔

---

[۱] محمد سلیمان عبد اللہ الاشقر، زبدۃ التفسیر من فتح القدیر (للشوکانی) ص ۸۰۹، کویت ۱۹۸۵ء

امام راغب قطرب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ 'الأمیۃ' کے معنی ہیں، الغفلة والجهالة (غفلت اور جہالت) اسی سے امی کا لفظ ہے۔ اس میں قلت معرفت کا تصور ہے۔[1]

'اُمی' یہاں اہلِ عرب کو کہا گیا ہے۔ ان کی دورِ جاہلیت کی کیفیت بیان ہوئی ہے کہ وہ 'ضلالِ مبین' (کھلی ضلالت) میں مبتلا تھے۔ اس سے اصلاً مراد شرک اور دینِ حق سے بے خبری اور فسق و فجور کی زندگی ہے۔ عقیدے اور عمل کی اس ضلالت سے نکالنا 'تزکیہ' ہے۔ زمخشری نے 'وَ یُزَکِّیْھِمْ' کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔

يطهرهم من الشرك و خبائث الجاهلية[2]	آپ انھیں شرک سے اور جاہلیت کی خباثتوں سے پاک کرتے ہیں۔

قاضی شوکانی کہتے ہیں:

يزكيهم اى يطهرهم من دنس الكفر والذنوب و سيء الأخلاق و قيل يجعلهم أذكياء القلوب بالإيمان[3]	آپ ان کا تزکیہ کرتے ہیں، یعنی انھیں کفر اور گناہوں کے میل کچیل اور اخلاقِ بد سے پاک کرتے ہیں۔ اس کے یہ معنی بھی بیان ہوئے ہیں کہ آپ ان کو ایمان کے ذریعہ ذکی القلب (پاک دل) بناتے ہیں۔

سورۂ آلِ عمران میں یہی بات اہلِ ایمان پر اللہ کے احسان کی حیثیت سے بیان ہوئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰـهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِـمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِـمْ	درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود

[1] راغب اصفہانی، مفردات القرآن، مادہ 'اُمّ' ص ۳۳، دار المعرفۃ، بیروت ۱۹۹۸ء
[2] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: ۴/ ۵۱۷
[3] زبدۃ التفسیر من فتح القدیر، ص: ۷۴۰

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ (آل عمران: ۱۶۴)	انھی میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات اُنھیں سناتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گم راہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

یعنی اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے پیغمبر کے ذریعے انھیں اس صریح ضلالت سے نکالا، جس میں وہ پڑے ہوئے تھے۔ یہ ضلالت فکر و عقیدہ اور اخلاق و کردار ہر طرح کی تھی۔ تزکیہ اسی سے نکالنے کا نام ہے۔ زمخشری نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

و يطهرهم من دنس القلوب بالكفر و نجاسة سائر الجوارح بملابسة المحرمات و سائر الخبائث[1]	کفر کی وجہ سے دلوں میں جو گندگی پیدا ہوجاتی ہے اس سے آپ انھیں پاک کرتے ہیں۔ (اسی طرح) محرمات اور خباثتوں میں آلودہ ہونے کی وجہ سے اعضا و جوارح کو جو نجاست لاحق ہوجاتی ہے اسے دور فرماتے ہیں۔

یہی بات قاضی بیضاوی نے مختصر الفاظ میں کہی ہے:

يطهرهم من دنس الطباع و سوء الإعتقاد و الأعمال[2]	آپ انھیں طبیعتوں کی گندگی اور بداعتقادی اور بدعملی سے پاک کرتے ہیں۔

عبادات کا تزکیہ

تزکیہ کا تعلق عبادات سے بھی ہے۔ عبادات کا تزکیہ یہ ہے کہ وہ شرک سے پاک اور اللہ واحد کے لیے ہوں۔ اس سے انسان کی زندگی اور اس کی سیرت آلائشوں سے پاک ہوتی ہے۔ سورۂ اعلیٰ میں ارشاد ہے:

---

[1] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: ۱/۴۲۷

[2] بیضاوی، انوار التنزیل و اسرار التاویل: ۱/۱۸۸، دار الکتب العلمیہ، لبنان ۱۹۸۸ء

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰیO (الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵) فلاح پا گیا وہ جس نے تزکیہ اختیار کیا اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی۔

اس میں تزکیہ کو فلاح کا ذریعہ قرار دینے کے ساتھ اس کی ایک عملی شکل بھی بیان کردی گئی ہے۔ وہ یہ کہ آدمی اللہ کا ذکر کرے اور اس کا نام لیتا رہے۔ اس کی بہترین صورت وہ اوراد اور دعائیں ہیں، جن کا رسول اللہ ﷺ شب و روز اور ہر موقع پر اہتمام فرماتے تھے اور جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ اللہ کا نام لینے اور اسے یاد کرنے کا سب سے اعلیٰ و ارفع ذریعہ نماز ہے۔ اسی وجہ سے ذکرِ رب کے فوراً بعد نماز کا تذکرہ ہے۔ نماز کے بغیر تزکیہ کا تصور نہیں ہے۔ نماز میں سجدہ ہے اور سجدہ اللہ سے قربت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ حکم ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق: ۱۹) سجدہ کرو اور قریب ہو جاؤ۔

زکوٰۃ میں تزکیہ کا مفہوم موجود ہے، اس لیے کہ دونوں کا مادہ ایک ہے۔ زکوٰۃ سے مال پاک بھی ہوتا ہے اور اس میں خیر و برکت اور نشو ونما بھی ہوتی ہے[1]

رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَ تُزَکِّیْھِمْ بِھَا (التوبۃ: ۱۰۳) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ قبول کرکے ان کی تطہیر اور تزکیہ فرمائیں۔

اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ صدقات اگر صحیح ہاتھوں میں پہنچیں تو اس سے تطہیر اور تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔

روزے کا مقصد لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ: ۱۸۳) (تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو) کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ یعنی اس سے امید کی جاسکتی ہے کہ آدمی گناہوں سے بچے گا اور خدا پرستی کی راہ اختیار کرے گا۔ تقویٰ ہی کا دوسرا نام تزکیہ ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'انفاق فی سبیل اللہ' ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

اخلاق کا تزکیہ

اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے فرائض میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم بھی شامل رہی ہے۔ وہ اخلاقِ عالیہ کا درس ہی نہیں دیتے، بلکہ انسان کی سیرت کو پاکیزگی اور رفعت بھی عطا کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے مکارم اخلاق کی ترغیب دی ہے اور اخلاق کی بلندی کو اہلِ ایمان کا ایک نمایاں وصف قرار دیا ہے۔ وہ رذائل اخلاق سے ان کے دامن کو پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک اعلیٰ اخلاق کا سر چشمہ ایمان ہے۔ صحیح معنی میں ایمان کی دولت نصیب ہو تو زندگی کے ہر گوشے میں رذائل سے پاک اور انتہائی شائستہ کردار وجود میں آتا ہے۔ یہ دراصل تزکیہ ہی کا ایک پہلو ہے۔ غضِ بصر اور عفت و عصمت کے ذریعے انسان بلندی کردار کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ یہ اخلاق کا تزکیہ ہے۔ قرآن نے اہل ایمان کو ہدایت کی ہے:

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ○ (النور: ۳۰)

مومنوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ اس میں ان کے لیے زیادہ پاکیزگی ہے۔ بے شک اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اس سے باخبر ہے۔

آنکھوں کا بھٹکنا بدکاری کا پیش خیمہ ہے۔ اس سے ناجائز تعلقات کی راہیں کھلتی ہیں۔ اسی لیے غضِ بصر کا حکم دیاگیاہے۔ غضِ بصر کے معنی ہیں آنکھوں کو جھکا لینا یا بند کرلینا۔ اس پر عمل ہو تو بدکاری سے بچا جاسکتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا: ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ (یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے) ازکیٰ اور تزکیہ کا مادہ ایک ہے۔ اس میں طہارت اور پاکیزگی کا تصور پایا جاتا ہے۔

معاشرت کا تزکیہ

تزکیہ کی وسعت میں معاشرت کا تزکیہ بھی شامل ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو عورتیں طلاق (بائن) کے بعد سابقہ شوہروں سے باہم رضامندی سے اور دستور کے مطابق نکاح کرنا چاہیں تو انھیں اس سے باز نہ رکھو۔ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو اس کی نصیحت کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

ذٰلِکُمْ اَزْکٰی لَکُمْ وَ اَطْهَرُ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○ (البقرۃ:۲۳۲:۲)

یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ اور زیادہ صاف ستھرا طریقہ ہے۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

آیت میں 'اَزْکٰی وَ اَطْهَرُ' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان کا جو مادہ ہے وہی تزکیہ اور تطہیر کا بھی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ مطلقہ عورت کو نکاح کی دوبارہ اجازت دینا، اسے اس اقدام سے نہ روکنا اس کی اور معاشرہ کی پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس سے اخلاق کی حفاظت ہوتی ہے اور بے راہ روی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ یہی تزکیہ کا مقصد ہے۔

آدابِ معاشرت کے ذیل میں فرمایا گیا کہ کسی کے مکان میں داخل ہونے سے پہلے اس سے اجازت حاصل کرو اور سلام کرو۔ اس کے بغیر اس میں داخل مت ہو جاؤ۔ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔ توقع ہے تم نصیحت حاصل کروگے۔ اگر مکان میں کوئی موجود نہ ہو تو بھی بغیر اجازت کے اندر نہ جاؤ۔ اجازت ملنے ہی پر جاؤ۔ اگر تمھیں واپس جانے کے لیے کہا جائے تو واپس ہو جاؤ (اسے اپنی ہتک نہ سمجھو)۔

اس ہدایت کی حکمت واضح ہے۔ آدمی کا گھر اس کی خلوت کی جگہ

ہے۔ جہاں وہ کسی بھی حال میں اور اپنے کسی بھی کام میں مصروف ہو سکتا ہے۔ اس میں بغیر اجازت دخل اندازی بہت سے مفاسد کا سبب بن سکتی ہے۔ کم سے کم بے حجابی کا ماحول تو پیدا ہوتا ہی ہے۔ اسی لیے اس ہدایت کے بعد ارشاد ہوا:

هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (النور:۲۸)

اس میں تمھارے لیے زیادہ پاکیزگی ہے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس میں 'ازکیٰ' کا لفظ آیا ہے، جس کے معنیٰ بہتر تزکیہ کے ہیں۔

راہِ خدا میں استقامت بھی تزکیہ ہے

حضرت موسیٰؑ نے اپنی رسالت کے ثبوت میں معجزات پیش کیے تو فرعون نے انھیں جادو کے کرتب قرار دیا اور ہر طرف سے جادوگروں کو جمع کیا، تاکہ اس کا مقابلہ کریں، لیکن جادوگر جیسے ہی میدان میں آئے ان پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت موسیٰؑ شعبدہ بازی اور جادوگری کا مظاہرہ نہیں کر رہے ہیں، بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور جو معجزات پیش فرما رہے ہیں وہ انسان کی استطاعت سے باہر ہیں۔ چناں چہ وہ بغیر کسی پس و پیش کے ایمان لے آئے اور سجدے میں گر پڑے۔ اس پر فرعون نے انھیں دھمکی دی کہ وہ ان کے ہاتھ پیر کاٹ کر تختۂ دار پر چڑھا دے گا۔ اس کے جواب میں انھوں نے بے خوف و خطر کہا کہ جو کچھ تمھیں کرنا ہے کر گزرو۔ ہم تو ایمان لے آئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں سے درگزر فرمائے اور تمھارے جبر و اکراہ کی وجہ سے ہم نے حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں آنے کی جو غلطی کی اسے بھی معاف فرما دے۔ (طٰہٰ: ۵۶-۷۳)

اس کے بعد ارشاد ہے:

اِنَّهٗ مَن يَّاتِ رَبَّهٗ مُجرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لاَ يَمُوتُ فِيهَا وَلاَ يَحْيٰى وَ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ مَنْ تَزَكّٰى○ (طٰہٰ: ۷۴-۷۶)

بے شک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم کی حیثیت سے آئے گا، اس کے لیے جہنم ہے، جس میں اسے موت آئے گی اور نہ حیات ملے گی۔ لیکن جو اس کے ہاں ایمان لے کر آئے گا اور اس نے نیک اعمال انجام دیے ہوں گے تو ایسے سب لوگوں کے لیے اونچے درجات ہوں گے۔ قیام کے لیے باغات، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جزا ہے اس شخص کی جس نے تزکیہ حاصل کیا (پاک ہوا)۔

ان آیات کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ جادوگروں ہی کے بیان کا حصہ ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ نیا سلسلۂ کلام ہے[۱]

ان میں جو رائے بھی اختیار کی جائے، بہرحال یہ اوپر کی بحث ہی سے متعلق ہیں۔ ان آیات میں دو اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں:

ایک یہ کہ جس نے کفر اور بدعملی کی راہ اختیار کی اور جو مجرم اور خطاکار ہے وہ آخرت میں اللہ کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ وہ بدترین اور لامتناہی عذاب میں گرفتار ہوگا اور موت و حیات کی کشمکش سے ہمیشہ دو چار رہے گا۔ اس سے فرعون کا کردار اور اس کا انجام سامنے آتا ہے۔

دوسری بات یہ کہی گئی کہ جو شخص اپنے دامن میں ایمان اور عمل صالح کی دولت لیے ہوئے اللہ کے دربار میں پہنچے گا وہ جنت کے اعلیٰ درجات کا مستحق ہوگا۔ اس کے پس منظر میں جادوگروں کا کردار ہے۔ حق کے واضح ہونے کے بعد

---

۱ بیضاوی، انوار التنزیل: ۲/۵۳

انھوں نے جس طرح آگے بڑھ کر اسے قبول کیا، اس کے لیے عزم و ہمت اور استقامت کا ثبوت دیا اور جان کی بازی لگانے کے لیے بے خوف و خطر تیار ہوگئے، یہ اسی کے انجام کا ذکر ہے۔ بات اس پر ختم ہوئی ہے:

وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ مَنْ تَزَكّٰی ○ یہ جزا ہے اس شخص کی جس نے تزکیہ حاصل کیا۔

یہ اس بات کا بیان ہے کہ جنت کے اعلیٰ درجات تزکیہ ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔[1]

حافظ ابن کثیر اس فقرے کی تشریح میں فرماتے ہیں: "یہ جزا ہے اس شخص کی جس نے اپنے نفس کو گندگی اور خباثت اور شرک سے پاک کیا، اللہ کی، جو وحدہ لا شریک ہے عبادت کی، اللہ کے رسولوں کی تعلیمات کی جو خیر و فلاح پر مشتمل ہیں، اتباع کی۔"[2]

جادوگروں کا قبولِ حق، ان کی استقامت اور حضرت موسیٰؑ کی اتباع اس بات کا ثبوت تھا کہ ان کو تزکیہ کا یہ اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

سیاست کا تزکیہ

زندگی کے اور شعبوں کی طرح سیاست کا بھی تزکیہ ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول اس پہلو سے بھی تزکیہ کا فرض انجام دیتے ہیں۔ فرعون، خود کو سورج دیوتا کا نمائندہ اور اقتدار کا مالک سمجھتا تھا۔[3]

وہ اپنے درباریوں سے کہتا ہے:

---

[1] امام رازی فرماتے ہیں: دلت هٰذه الاٰية علی ان الدرجات العالية هی جزاء من تزكّٰی. ای تطهر من الذُّنوب. التفسیر الکبیر، جلد ۱۱، جزء ۲۲، ص ۷۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان ۱۹۹۰ء

[2] و ذلک جزاء من تزکی، ای طهّر نفسه من الدنس والخبث والشرک و عبَد اللهَ وحده لا شریک له و اتبع المرسلین فی ماجاؤا به من خیر و طلب۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/۱۶۰

[3] ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم، سورۂ اعراف، حاشیہ نمبر ۸۵

یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ (القصص:۳۸)	اے اہلِ دربار میں تو اپنے سوا تمھارے کسی خدا کو نہیں جانتا۔

مطلب یہ کہ میں تمھارا 'الٰہ' ہوں۔ یہاں صرف میری فرماں روائی ہوگی۔ لہٰذا تم کسی دوسرے کو الٰہ نہیں قرار دے سکتے۔ حضرت موسیٰؑ نے اسے الٰہِ واحد کی عبادت کی دعوت دی تو وہ طیش میں آ گیا اور کہا:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ ○ (الشعراء:۲۹)	اگر تونے میرے سوا کسی دوسرے کو الٰہ بنایا (حاکم ٹھہرایا) تو بے شک تجھے (قید کردوں گا اور) قیدیوں کے ساتھ ڈال دوں گا۔

ایک اور موقعے پر اس کا دعویٰ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی (النازعات:۲۴)	میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں۔

اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا:

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ○ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓی اَنْ تَزَكّٰی ○ وَ اَهْدِیَكَ اِلٰی رَبِّكَ فَتَخْشٰی ○ (النازعات:۱۷-۱۹)	جاؤ فرعون کے پاس، بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے۔ اس سے کہو کہ کیا تو اس کے لیے تیار ہے کہ تیرا تزکیہ ہو (اور تو سنور جائے) اور میں تجھے تیرے رب کا راستہ دکھاؤں کہ اس کا تجھے خوف ہو۔

یہ در اصل اس بات کی دعوت تھی کہ اس کائنات کا صرف ایک خدا ہے اور کسی دوسرے کو یہاں خدائی کے دعویٰ کا حق نہیں ہے۔ اس لیے فرعون کو اپنی مطلق اور بے قید فرماں روائی سے دست بردار ہوکر خدا کی ہدایت اور اس کے قانون پر عمل کرنا چاہیے۔ اس میں ایک طرف فرعون کے ربِ اعلیٰ ہونے کی تردید تھی اور دوسری طرف اسے اسلام قبول کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کی دعوت تھی۔ اسی کو تزکیہ کہا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس 'هَلْ لَّكَ اِلٰٓی اَنْ تَزَكّٰی' کے معنی بیان

کرتے ہیں کہ کیا تم اس کے لیے تیار ہو کہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کی شہادت دو۔ یہی بات عکرمہ نے کہی ہے۔ ابن زید کہتے ہیں: اس سے اسلام مراد ہے۔[1]

مفسر خازن اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ کیا تم اس کے لیے آمادہ ہو کہ شرک اور کفر سے پاک ہو جاؤ۔ اس کے یہ معنی بھی بیان ہوئے ہیں کہ تم اسلام لے آؤ اور اپنے عمل کی اصلاح کرلو۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہاں خاص طور پر فرعون کا ذکر ہے، حالاں کہ حضرت موسیٰؑ کی دعوت فرعون کی پوری قوم کے لیے تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرعون ان کا نمایاں فرد تھا، اسے دعوت دینا اس کی قوم کو دعوت دینے کے ہم معنی تھا۔[2]

یہ ہے وہ تزکیہ جس کا مطالبہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی قوم سے کیا تھا۔

تزکیہ خاندانی وراثت نہیں ہے

قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ تزکیہ و طہارت خاندانی وراثت نہیں جو افراد میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی چلی جائے، بلکہ اس کا تعلق انسان کے فکر و عمل سے ہے۔ اس کے لیے اسے سعی و جہد کرنی ہوگی۔ یہود کا خیال تھا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کی نسل سے ہیں اس لیے دنیا کی قوموں میں سب سے برتر ہیں۔ وہ کچھ بھی کریں ان کے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے وہ جہنم کے مستحق قرار بھی پائے تو چند ہی روز میں پاک صاف ہوکر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اسی طرح نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ قرار دے رکھا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ

---

[1] ابن جریر، تفسیر جلد ۱۲، جزء ۳۰، ص ۲۵- قرطبی، الجامع لاحکام القرآن جلد ۱۰، جزء ۱۹، ص ۱۳۱

[2] خازن، لباب التنزیل مع تفسیر البغوی: ۶/ ۳۶۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان ۱۹۹۵ء

حضرت مسیحؑ پر ایمان لانا نجات کے لیے کافی ہے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبّٰٓؤُهٗ (المائدۃ:۱۸)	یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔

قرآن مجید نے اس نامعقولیت کی جگہ جگہ تردید کی ہے۔ ایک موقع پر فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا۝ (النساء:۴۹)	کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ اور برتر کہتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ جس کا چاہتا ہے تزکیہ کرتا ہے اور (اس کے ہاں) ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔

تزکیہ کی طلب ضروری ہے

سورۂ عبس کی ابتدائی آیات سے واضح ہے کہ تزکیہ کے لیے طلب کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان آیات کے ذیل میں تفسیر کی کتابوں میں مختلف سندوں سے جو واقعہ نقل ہوا ہے اس سے ان کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔[1]

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے سرداروں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے اور ان کے سامنے دعوتِ دین پیش فرما رہے تھے۔ اسی دوران میں حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ پہنچ گئے۔ وہ اسلام لاچکے تھے۔ اس وقت ان کا مقصد اپنی اصلاح و تربیت کے لیے ہدایات حاصل کرنا تھا۔ چناں چہ وہ پہنچتے ہی اس کی درخواست کرنے لگے۔ وہ نابینا تھے اس لیے انھیں اندازہ نہ ہوسکا کہ آپ اس وقت سردارانِ قریش سے اہم دعوتی گفتگو

---

[1] علامہ قرطبی اس ذیل میں لکھتے ہیں: روی اہل التفسیر اجمع۔ یعنی اس واقعہ کی روایت تمام مفسرین نے کی ہے، پھر اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ تفسیر قرطبی، جلد ۱۰، جزء ۱۹، ص ۱۳۸

میں مشغول ہیں۔ آپ کو ان کی مداخلت ناگوار گزری۔ اس پر حسبِ ذیل آیات نازل ہوئیں:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی۝ اَنْ جَآءَ ہُ الْاَعْمٰی۝ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰیٓ۝ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَہُ الذِّکْرٰی۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۝ فَاَنْتَ لَہٗ تَصَدّٰی۝ وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی۝ وَ اَمَّا مَنْ جَآئَکَ یَسْعٰی۝ وَھُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْہُ تَلَھّٰی۝ (عبس:۱-۱۰)	ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آگیا۔ تمھیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے یانصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو! جو شخص بے پروائی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو، حالاں کہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کب ذمے داری ہے؟ اور جو خود تمھارے پاس دوڑا ہوا آتا ہے اور ڈر رہا ہے، اس سے تم بے رُخی برتتے ہو۔

حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کے اندر دین کا علم حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کی طلب تھی، وہ تزکیہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے، اسی لیے دوڑے ہوئے آئے۔ فرمایا گیا کہ ان سے بے توجہی صحیح نہیں ہے۔ یہی طلب آدمی کو تزکیہ کی راہ میں آگے بڑھاتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی مدد فرماتا ہے۔ اس کا قاعدہ ہے:

یَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ۝ (الشوریٰ:۱۳)	جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اسے وہ راہ دکھاتا ہے۔

ان آیات میں مزکِیّ کی یہ ذمے داری بتائی گئی ہے کہ جس فرد میں تزکیہ کی طلب دیکھے اس کی طرف خاص توجہ دے۔ اس کے مقابلے میں ان لوگوں کو اہمیت نہ دے جن کے اندر استغنا ہے اور جو کسی ہدایت اور راہ نمائی سے خود کو بے نیاز سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ہدایت قبول نہ کریں اور ایمان کی دولت سے محروم رہنا ہی پسند کریں تو فرمایا گیا کہ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ کی ذمہ داری دعوت و تبلیغ کی ہے۔ اس کے بعد وہ جو رویہ اختیار

کریں اس کے ذمے دار وہ خود ہیں، آپ نہیں ہیں۔ یہاں تزکیہ سے مراد اللہ پر ایمان لانا اور اس کی ہدایت قبول کرنا ہے۔[1]

شیطان کی اطاعت سے احتراز کیا جائے

تزکیہ کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف آدمی رجوع کرے، شیطان کی پُرفریب چالوں کو سمجھے اور ان سے دور رہے۔ کسی معاملے میں اس کے پیچھے نہ چلے۔ اس کی اتباع آدمی کو تزکیہ سے محروم کر دیتی ہے۔ تزکیہ متاعِ دنیا نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس کو حاصل ہوجائے، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص ہے جو انسان کو عطا ہوتا ہے۔ یہ بات سورۂ نور میں واقعۂ افک کی مناسبت سے بیان ہوئی ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لیے تذکیر اور تنبیہ بھی ہے جو اس میں ملوّث تھے۔ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○ (النور:۲۱)	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو، جو کوئی اس کی پیروی کرے گا اُسے وہ فحش اور بدی کا ہی حکم دے گا۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہو سکتا۔ مگر اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے آخری حصہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] بغوی کہتے ہیں: (وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى) ان لاَ یؤمن ولاَ یھتدی ان علیک الّا البلاغ۔ یہی بات خازن نے کہی ہے۔ تفسیر الخازن مع تفسیر البغوی: ۶/۳۶۶۔ نیز ملاحظہ ہو قرطبی، تفسیر جلد ۱۰، جزء ۱۹، ص ۱۴۰

''اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گناہوں سے توبہ اور رجوع کی، انسانی نفوس کو شرک سے، فسق و فجور سے، ان کے اندر پائی جانے والی گندگی سے اور اخلاق کی پستی سے پاک ہونے کی حسبِ حال توفیق عطا کرتا ہے۔ اس کی توفیق نہ ہو تو کوئی بھی شخص خود سے اپنے اندر تزکیہ اور خیر نہیں پیدا کرسکتا۔''[۱]

یہی جذبہ تزکیہ کی اساس ہے۔ اسی سے آگے کی راہیں کھلتی ہیں۔

تزکیہ پر غرور نہ ہو

اگر کسی کو نیکی اور تقویٰ کی سعادت حاصل ہے تو اس کے اندر جذبۂ شکر ابھرنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود کو برتر اور دوسروں کو کم تر سمجھنے لگے اور خود ستائی کے مرض میں مبتلا ہوجائے۔ ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۠ (النجم:۳۲)

جو بڑے بڑے گناہوں اور کھلے کھلے قبیح افعال سے پرہیز کرتے ہیں، الاّ یہ کہ کچھ قصور ان سے سرزد ہو جائے۔ بلاشبہ تیرے رب کا دامنِ مغفرت بہت وسیع ہے۔ وہ تمھیں اس وقت سے خوب جانتا ہے جب اس نے زمین سے تمھیں پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں ابھی جنین ہی تھے۔ پس اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو، وہی بہتر جانتا ہے کہ واقعی متقی کون ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی کبائر سے اجتناب کرے تو اللہ تعالیٰ صغائر کو معاف فرما دیتا ہے۔ وہ چاہے تو چھوٹے سے چھوٹے گناہوں کی بھی باز پرس کرسکتا ہے، یہ اس کا فضلِ خاص ہے کہ وہ اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آدمی تقویٰ و طہارت اور تزکیہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

---

[۱] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۳/۲۷۵

اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کا کتنا تزکیہ ہوا ہے اور کس کے اندر کتنا تقویٰ پایا جاتا ہے؟ وہ انسان کے حالات سے اس کی پیدائش سے پہلے سے واقف ہے۔ اس کے بعد اس کی جو سیرت اور کردار رہا ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ آدمی کا حسنِ عمل اللہ کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ اس لیے وہ اسے اللہ کا فضل سمجھے اور اپنا کارنامہ نہ تصور کرے۔

تزکیہ اپنے فائدے کے لیے ہے

یہ بات ہرگز فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ اگر آدمی اپنا تزکیہ کرتا ہے، دینی اور اخلاقی اعتبار سے ترقی کرتا ہے اور راہِ راست پر گامزن ہے تو اللہ تعالیٰ پر یا اس کے رسول پر کوئی احسان نہیں کرتا، اس میں خود اس کا فائدہ ہے۔ اس سے اس کی حیاتِ دنیا گندگی سے پاک ہوگی اور وہ آخرت میں کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔ سورۂ فاطر میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ آخرت میں کسی کا بوجھ کوئی نہیں اٹھائے گا، گناہ گار اپنے رشتہ داروں کو بھی مدد کے لیے آواز دے تو وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوں گے۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ مَنْ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِہٖ وَ اِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ۝ (فاطر:۱۸)

(اے نبیؐ) تم صرف انھی لوگوں کو متنبہ کرسکتے ہو جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، جو شخص بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے اور پلٹنا سب کو اللہ ہی کی طرف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تزکیہ میں آدمی کا اپنا ہی فائدہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کا محتاج نہیں ہے۔ ہاں جب وہ گناہوں سے پاک صاف ہوکر اللہ کے دربار

میں پہنچے گا تو اس کے بے پایاں اجر و ثواب سے بہرہ ور ہوگا۔

سورۂ عنکبوت میں یہی بات ایک دوسرے سیاق میں بیان ہوئی ہے کہ کوئی شخص اللہ کا دین قبول کرتا ہے، اس کے لیے جدوجہد کرتا اور اپنی توانائی صرف کرتا ہے، تکلیفیں برداشت کرتا، قربانیاں دیتا اور استقامت کا ثبوت فراہم کرتا ہے تو اس میں خود اس کا فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت نہیں ہے۔ وہ کسی کے ایمان اور حسنِ عمل کا محتاج نہیں ہے۔ ارشاد ہے:

وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ○ (العنکبوت:٦)	اور جو جدوجہد کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ بے شک اللہ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

تزکیہ کی سعی کی جائے

ایک اہم سوال یہ ہے کہ تزکیہ کون کرے؟ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے تزکیہ کی خود کوشش کرنی چاہیے۔ جو اپنا تزکیہ کرے گا وہ فوز و فلاح سے ہم کنار ہوگا۔ ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى○ (الاعلیٰ:۱۴)	بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے اپنا تزکیہ کیا۔

اس مفہوم کی متعدد آیات اسی مضمون میں گزر چکی ہیں۔ ان میں انسان کی ذمے داری قرار دی گئی ہے کہ وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے، اسے ہر طرح کی آلائشوں سے پاک رکھے اور اعلیٰ اوصاف سے آراستہ کرے۔ اس پہلو سے تزکیہ آدمی کا ذاتی عمل ہے۔ اگر اس کے اندر اس کا عزم و حوصلہ نہیں ہے تو تزکیہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

رسول اللہؐ نے امت کا تزکیہ فرمایا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ تزکیہ پر مامور تھے۔ آپ اس امت کے مربیِّ اوّل اور مزکیِّ اعظم تھے۔ آپ نے اپنے ماننے والوں کے فکر وعمل کی اصلاح کی، اللہ سے ان کا تعلق مضبوط کیا، ان کے اندر آخرت کی فکر پیدا کی، انھیں اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کیا، ان میں وہ خوبیاں اور صفات پیدا کیں جو مطلوب تھیں، انھیں 'خیر اُمت' کے مقام تک پہنچایا اور دنیا کی امامت و قیادت کے قابل بنایا۔ امت کے لیے آپ مجسم اخلاص اور اس کے ایک ایک فرد کے خیر خواہ تھے۔ سب ہی کو آپ کی محبت حاصل تھی۔ بعض لوگ اس معاملے میں شک و شبہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قرآن نے اس کی تردید کی اور کہا کہ منصب نبوت اس سے بالاتر ہے کہ اس طرح کے شبہات کیے جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان پر احسان ہے کہ اس نے ان ہی میں ایک فرد کو ان کی ہدایت و راہ نمائی اور اصلاح و تربیت کے لیے مبعوث فرمایا۔ (آل عمران: ۱۶۳، ۱۶۴) یعنی ایمان کا تقاضا ہے کہ اس احسان عظیم کی قدر کی جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

تزکیہ اللہ عطا کرتا ہے

تزکیہ حقیقی معنیٰ میں اللہ کا انعام ہے۔ اس کی توفیق ہی سے انسان کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ تزکیہ اپنی برتری کے دعووں سے حاصل نہیں ہوتا:

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ ۝ (النساء: ۴۹)	بلکہ اللہ جس کا تزکیہ چاہتا ہے اس کا تزکیہ ہوتا ہے۔

تزکیہ کا تعلق آخرت سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو

خامیوں اور لغزشوں سے پاک صاف کرکے جنت میں پہنچائے گا۔ جو لوگ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دیں اور مفادِ دنیا کی خاطر اپنے دین کو فروخت کردیں انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تزکیہ حاصل نہ ہوگا۔ یہود اپنے کردار سے اس بات کا ثبوت فراہم کر رہے تھے کہ وہ اس تزکیہ کے مستحق نہیں ہیں۔ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلاً اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لاَ یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلاَ یُزَکِّیْہِمْ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

(البقرہ: ۱۷۴)

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اللہ کی نازل کردہ کتاب کے ایک حصہ کو اور اس کے عوض تھوڑی سی قیمت وصول کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں صرف جہنم کی آگ بھرتے ہیں۔ قیامت کے روز اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ ان کا تزکیہ (پاک صاف) فرمائے گا اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے۔[۱]

قرآن مجید میں تزکیہ کی نسبت فرد کی طرف بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی۔ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے بھی ہے۔ ہر فردِ بشر سے اس امر کا مطالبہ ہے کہ وہ اپنا تزکیہ کرے۔ یہ اس کی ذمے داری ہے۔ اس کے بغیر وہ فلاح نہیں پا سکتا۔ اس لیے تزکیہ کا مخاطب ہر شخص ہے۔ رسول اللہ ﷺ تزکیہ پر مامور تھے اور آپ نے اس امت کا تزکیہ فرمایا تھا، اس لیے تزکیہ کا حکم آپ سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے انسان تزکیہ حاصل کرسکتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان اپنا تزکیہ کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی راہ نمائی فرماتے ہیں اور اللہ کی توفیق سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔

---

۱ یہی بات سورہ آل عمران (آیت نمبر ۷۷) میں بھی کہی گئی ہے۔

تزکیہ ایک وسیع اور ہمہ جہت عمل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے اور خود کو اس کے حوالہ کر دینے کا نام ہے۔ یہ اپنی شخصیت کو پوری طرح اسلام کے سانچے میں ڈھال دینے کا عمل ہے۔ اس کے لیے مسلسل توجہ اور محنت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی ہوگی کہ وہ اس مشکل کام میں ہماری مدد فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی:

اللّٰھم آتِ نفسی تقواھا و زکِّھا انت خیر من زکّٰھا انت ولیُّھا و مولاَھا[۱] فاحفظھا بما تحفظ بہ عبادکَ الصالحین[۲]	اے اللہ تو میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما۔ اس کا تزکیہ فرما۔ تو ہی اس کا سب سے بہتر تزکیہ کرنے والا ہے۔ تو اس کا سرپرست اور مولیٰ ہے۔ تو اس کی اس طرح حفاظت فرما، جس طرح اپنے صالح بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تزکیہ کی نعمت سے ہم سب کو سرفراز فرمائے۔

---

[۱] مسلم، کتاب الذکر والدعا، مسند احمد: ۴/ ۳۷۱۔ نسائی، کتاب الاستعاذہ، باب الاستعاذۃ من العجز
[۲] مسلم، کتاب الذکر والدعاء۔ آخری فقرہ اوپر کی دعا میں شامل نہیں ہے۔ یہ دوسری دعا کا حصہ ہے۔ اسے ساتھ ملا کر پڑھنا ان شاء اللہ مفید ہوگا۔